چاند کی ضرورت پیش آتی ہے)

اللہ تعالیٰ فیصل بن عبدالعزیز کی مغفرت فرمائے۔ ان کے جانشینوں کو راہ راست پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اور مسلمانوں کے لیے نیک حکمران مقدر فرمائے جو دین کی سربلندی اور ملت کی غمخواری کرنے والے ہوں۔

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کو اقلیت قرار دے کر جو شہرت اور ناموری حاصل کی تھی افسوس کہ وہ اپنی بے تدبیری کی وجہ سے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اگر انہوں نے یہ کام دینی جذبے کے تحت سرانجام دیا تھا تو اب اس معاملے میں ان کی غفلت بڑی اندوہناک ہے کیونکہ اگر کوئی کام خدا کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو اس کی نوعیت وقتی اور ہنگامی نہیں ہوتی بلکہ مستقل اور پائیدار ہوتی ہے۔ ہم ان کے بارے میں یہ حسنِ ظن ہی رکھتے ہیں کہ اس معاملے میں ان کے پیش نظر کوئی دنیوی غرض نہ تھی بلکہ خدا کی رضا تھی اس لیے انہیں اس کام کو بغیر کسی تاخیر کے اس کے فطری نتائج تک پہنچائے بغیر دم نہ لینا چاہیے۔

اس ضمن میں انہیں سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ جہاں جہاں رجسٹریشن کی ضرورت ہو وہاں قادیانیوں کا اندراج بحیثیت غیر مسلم کیا جائے۔ ملازمتوں کے لیے جو ریکارڈ موجود ہیں، وکلا کی رجسٹریشن اور شناختی کارڈوں میں ان کی یہ حیثیت بالکل واضح طور پر درج ہونی چاہیے۔ اگر عیسائیوں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے بارے میں سرکاری اور غیر سرکاری ریکارڈ میں ان کے مذہب کی صراحت کا اہتمام کیا جاتا ہے تو آخر "ان غیر مسلموں" کے بارے میں اس صراحت کو کیوں غیر ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اس بات کا جلد از جلد التزام نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے لیے بہت سی معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی جو آگے چل کر ان کے لیے سخت مشکلات کا باعث بنیں گی۔

دُنیا کا ہر معاشرہ لیکن خاص طور پر وہ معاشرہ جو دین کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے مذہبی معتقدات کے بارے میں بڑا حساس ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا جو اس کے حساسات سے مغائرت رکھتی ہو جس طرح انسان کا نظامِ ہضم ہر اس چیز کو پوری شدت کے ساتھ لوٹا دیتا ہے جسے اس کا معدہ قبول کرنے سے انکار کرتا ہے بالکل اسی طرح دینی معاشرہ ہر اس عنصر کو اپنے اندر جذب کرنے میں مزاحم ہوتا ہے جو اس کے اساسی تصورات میں اختلال پیدا کرے اور اگر اس عنصر کو اس کے اندر بالجبر کھپانے کی کوشش کی جائے تو دینی معاشرہ بالکل فطری طور پر اسی ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے، جو ایک شخص کسی ناپسندیدہ چیز کے حلق میں اتر جانے کی وجہ سے ذہنی اور جسمانی کرب و

اضطراب کی صورت ہی کرتا ہے اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اس ناپسندیدہ شے کو باہر نکال نہیں پھینکتا۔

قادیانیوں کے بارے میں قومی اسمبلی کے فیصلے کے نفاذ کے سلسلے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے یہ لوگ بالکل ناجائز فائدہ اٹھا کر نہ صرف مختلف قسم کی اَن ہونی باتیں کر رہے ہیں بلکہ اتنے جری اور بیباک ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ ان کی نظر میں قانون کا کوئی احترام باقی نہیں رہا۔ ان کے سربراہ اپنے معتقدین کے اندر یہ تاثر پھیلا رہے ہیں کہ بھٹو صاحب نے قومی اسمبلی سے یہ فیصلہ کسی دینی تقاضے کے تحت نہیں کروایا بلکہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے اور مسلم قوم کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے اور آئین میں اس تبدیلی کے علاوہ وہ اس ضمن میں کوئی مزید کارروائی کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے متبعین کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر من مانی کارروائیاں کرتے رہیں۔ ان سے کسی طرح کی باز پرس نہ ہوگی۔ قادیانیوں کی نگاہ میں قانون کس حد تک بے وزن اور قومی اسمبلی کا فیصلہ کس درجہ بے وقعت ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے ان کے ترجمان "الفضل" مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۷۵ء کی یہ وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

قادیانیوں کو قومی اسمبلی کا فیصلہ قبول نہیں ہم احمدی مسلمان ہیں

ایک ضروری وضاحت

شناختی کارڈ حاصل کرنے کا جو فارم پُر کرنا پڑتا ہے اس میں ایک خانہ "مذہب" کا ہے اسی طرح سکولوں میں داخلہ کے لیے فارموں میں بھی مذہب کا خانہ ہے بعض اور فارموں میں بھی ہوگا۔ متعلقہ افسران اصرار کرتے ہیں کہ احمدی اپنے آپ کو غیر مسلم درج کریں۔ ان کا یہ مطالبہ غیر آئینی اور بالکل غیر منصفانہ ہے۔

یہ درست ہے کہ دستور پاکستان اور قانونی اغراض کے لیے "احمدی" مسلمان قرار نہیں دیے گئے لیکن ساتھ ہی دستور کا آرٹیکل ۲۰ ہر شخص کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ جو مذہب بھی رکھتا ہو اُس کا برملا اظہار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ یہ حق بدستور قائم ہے۔ اس حق کو وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اس تقریر میں جو انہوں نے احمدیوں کے متعلق دستور میں ترمیم کے وقت کی اور زیادہ وضاحت اور خوبصورتی کے

ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "ہر پاکستانی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فخر و اعتماد سے بغیر کسی خوف کے اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر سکے۔ پاکستان کے آئین میں پاکستانی شہریوں کو اس امر کی ضمانت دی گئی ہے۔"

اس کے بعد چند سطروں میں اپنے عقائد کی وضاحت کر کے خود ہی اپنے بارے میں اس طرح فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔

"پس ہم اس آزادیٔ مذہب کے ہوتے ہوئے جو ہمیں دستورِ پاکستان میں دی گئی ہے اپنے آپ کو کس طرح راستی اور دیانتداری کے ساتھ غیر مسلم لکھ سکتے ہیں۔ ہم خود کو احمدی لکھ سکتے ہیں لیکن غیر مسلم نہیں لکھ سکتے اس بات کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ دستور یا قانون کی اغراض کے لیے ہمیں مسلمان نہیں سمجھا گیا خود ہمیں قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھیں۔"

دستور ساز اسمبلی کے اس فیصلے کے بارے میں اسی نوعیت کے باغیانہ خیالات کا اظہار چودھری ظفر اللہ بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں بلکہ مختلف اخبارات میں اس فیصلے کے متعلق ان کے جو بیانات اور تاثرات شائع ہوئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے یہ بات بادنیٰ تامل سمجھی جاسکتی ہے کہ مندرجہ بالا وضاحت بھی ان کی ذہنی اپج کا نتیجہ ہے۔ ہم اس وضاحت پر کچھ عرض کرنے سے پیشتر محترم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ براہ کرم وہ اس بات کی صراحت فرمائیں کہ کیا ان کی تقریر کے محولہ بالا الفاظ کا یہی منشا ہے جن کا سہارا لے کر قادیانی قومی اسمبلی کے فیصلے سے انحراف کی جرأت کر رہے ہیں۔ ان کی تقریر کا آج تک یہی مطلب سمجھا جاتا رہا کہ انہوں نے قادیانیوں کو بحیثیت ایک غیر مسلم اقلیت جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا ہے لیکن اس وضاحت سے یہ نکتہ پہلی بار ہمارے سامنے کھلا ہے کہ وزیر اعظم کی یہ تقریر مرزا غلام احمد کے متبعین کے جان و مال کے تحفظ کی یقین دہانی نہیں بلکہ ان کے عقائد کے تحفظ کا بھی عہد و پیمان ہے۔ ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر محترم وزیر اعظم کا منشا یہی تھا تو پھر قومی اسمبلی کے ذریعے مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بکھیڑے کی کیا ضرورت تھی۔ مسلم عوام نے تو انہیں ہمیشہ دائرہ اسلام سے خارج ہی سمجھا ہے اور انہیں کبھی مسلمانوں کے زمرہ میں شامل نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ان کا جو کچھ مطالبہ تھا وہ یہی تھا کہ چونکہ یہ لوگ دینی اعتبار سے ایک الگ امت ہیں جو امتِ محمدیہ سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس کی باغی ہے اس لیے انہیں قانونی اعتبار سے بھی مسلمانوں سے الگ ہو جانا چاہیے تاکہ نبی آخر الزمان پر

ایمان لانے والوں کا ملی تشخص برقرار رہ سکے۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ اتنا معقول تھا کہ خود قادیانی برطانوی عہد حکومت میں اس بات کا تقاضا کرتے رہے کہ انہیں مسلمانوں سے الگ ملت کی حیثیت سے تسلیم کر کے اُن کے حقوق کے تحفظ کا التزام کیا جائے۔ انگریز چونکہ ان کی مدد سے اُمّتِ مسلمہ کے اندر نقب لگانا چاہتا تھا اس لیے اس نے انہیں مسلمانوں کے ساتھ چپکائے رکھنے پر اصرار کیا اور قادیانیوں کو بھی جب اس حکمت عملی کے فوائد نظر آئے کہ کس طرح وہ ایک حقیر سی اقلیت ہونے کے باوجود مسلمانوں کے حقوق پر بڑی کامیابی سے ڈاکہ ڈال سکتے ہیں تو انہوں نے قانونی طور پر اپنی الگ حیثیت متعین کروانے کا مطالبہ ترک کر دیا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اندر اسی مکر و فریب کے ساتھ گھسے رہے جس دجل کے ساتھ کوئی بدقماش شخص پولیس سے ساز باز کرنے کے بعد کسی شریف گھرانے کے اندر بالجبر گھس کر رہنا شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے تکلیف اسے تو نہیں ہوتی بلکہ ان شرفا کو ہوتی ہے جن پر اُسے زبردستی ٹھونسا جاتا ہے اور جو اس کی چیرہ دستیوں کا ہدف بنتے ہیں۔ یہی مظلوم اس بات کے لیے فکرمند ہوتے ہیں کہ کسی طرح انہیں اس ظالم سے نجات حاصل ہو۔ اسی نوعیت کے ذہنی اضطراب کے ساتھ مسلمان بھی ہر دور میں اس بات کا مطالبہ کرتے رہے کہ کسی طرح مرزا غلام احمد کے متبعین سے انہیں چھٹکارا دلایا جائے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے بارہا کوششیں کیں جو گذشتہ سال بار آور ہوئیں اور قومی اسمبلی نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ مرزا غلام احمد کے ماننے والے مسلمانوں سے الگ اُمّت ہیں لیکن ان لوگوں کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ ملکی قانون کی اطاعت کا دم بھرنے کے باوجود اسے ماننے سے صاف انکار کر رہے ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ اُمّت کے حصار کے اندر رہ کر انہیں اس میں نقب لگانی ہے۔ اُن کی یہ روش اگر پاکستان کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر افسوس ہے کہ حکومت اس باغیانہ طرزِ عمل کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہی ہے۔ ہم یہ سوچ کر سخت کرب محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کے حکمران سیاسی اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالفین کی آزادی سلب کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اگر بانئ پاکستان کے استخفاف یا سربراہ مملکت کی توہین اس ملک میں قابلِ تعزیر جرم ہے تو آخر سید الانبیاء ختم المرسلین کے خلاف بغاوت کو کیوں ایک سنگین جرم نہیں سمجھا جاتا درآنحالیکہ سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے اسے ایک سنگین جرم تسلیم کر کے اس کا ارتکاب کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے اختتام کا عقیدہ کوئی علم الکلام کی بحث نہیں جس میں تاویل و تعبیر کی گنجائش ہو بلکہ یہ ایمان اور مسلم معاشرے سے انسان کے تعلق کی بنیاد ہے۔ چنانچہ جو شخص یا گروہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے دینی مقتضیات کے ساتھ جو قرآن اور سنت میں موجود

ہیں اور جن کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے ماننے سے انکار کرتا ہے، اُمتِ محمدیہ کا باغی ہے۔ عقائد و اعمال میں کوئی جزوی اشتراک کسی فرد یا گروہ کو اُمتِ مسلمہ سے وابستہ نہیں کر سکتا اور جو لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ وہ خدا، آخرت اور نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے انہیں دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ان کی یہ بات درست ہے تو پھر وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا انکار کرنے والوں کو غیر مسلم کیوں گردانتے ہیں اور ان کی تکفیر کے معاملے میں اُن کی شدت کا یہ انداز کیوں ہے کہ وہ کسی ایسے بچے کی نماز جنازہ پڑھنے پر بھی تیار نہیں ہو سکتے جس کے والدین مرزا صاحب کے متبع نہ ہوں۔

ہم جہاں حکومت سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے ماننے والوں کے بارے میں جو قانون اس نے پاس کیا ہے اس کا اچھی طرح نفاذ کرے وہاں خود اس جماعت سے بھی گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرے۔ ایک مسلم حکومت نے انہیں اُمتِ مسلمہ سے الگ کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ مسلمانوں کے ایک دیرینہ دینی اور ملی مطالبے اور مرزا صاحب کے متبعین کے معتقدات کا بالکل طبعی نتیجہ ہے۔ اس مطالبہ کو ٹالا تو جا سکتا تھا لیکن اسے بہر طور ایک نہ ایک دن تسلیم کیا ہی جانا تھا۔ سخت ناداں ہے وہ شخص جو کسی عمل کے محرک اور سبب کو تو تسلیم کرے لیکن جب اس عمل کے فطری نتائج سامنے آئیں تو پھر وہ "میں نہ مانوں" کی رٹ لگانے لگے۔ کیا اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے اصلاحِ احوال کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟

حکومتِ پاکستان صبح و شام خدمتِ اسلام کے جس قدر بلند بانگ دعوے کرتی ہے ان کی روشنی میں اگر اس ملک میں اسلام کے عملی نفاذ کا جائزہ لیا جائے تو سخت مایوسی ہوتی ہے بلکہ یوں احساس ہوتا ہے کہ حکومت اسلام کے ساتھ شرمناک مذاق کر رہی ہے۔ اربابِ بست و کشاد اس ملک میں اسلام کی سربلندی کے لیے کس حد تک مخلص ہیں اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس نصاب کمیٹی کی کارکردگی سے لگایا جا سکتا ہے جو پورے ملک میں یکساں نصاب رائج کرنے کے لیے مرکزی وزارتِ تعلیم کے تحت قائم کی گئی ہے اور جس نے سب سے نمایاں "کارنامہ" یہ سر انجام دیا ہے کہ مجوزہ نصاب سے اسلامیات کا مضمون خارج کر کے اس کی جگہ موسیقی کو داخل کیا ہے۔ نصاب کمیٹی کی اس مذموم حرکت پر جب پورے ملک میں شدید ردِّ عمل ہوا تو مرکزی وزیرِ تعلیم نے ازراہِ کرم یہ اعلان فرمایا کہ اسلامیات کو نصاب سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک اصل مسئلہ یہ نہیں کہ حکومت نے عوامی مطالبے کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں آخر اربابِ حکومت کو اپنی (باقی اشارات بر صفحہ ۵۰)